اسلامی شریعت

شیخ ابراہیم القطان

۱۔ استحسان

لغت میں استحسان کا مطلب یہ ہے کہ کسی چیز کو اچھا سمجھا جائے لیکن قانون سازی کی اصطلاح میں اس میں اس سے مراد یہ ہے کہ مجتہد قیاس خفی کے مقتضا یا حکم کلی کو چھوڑ کر کسی معقول دلیل کی وجہ سے ایسی رائے کو اختیار کر لے جو اس کے نزدیک راجح ہو۔

علماے احناف میں سے امام کرخیؒ کا قول ہے کہ:

"استحسان یہ ہے کہ مسئلے کے نظائر میں جو حکم موجود ہو، کسی قوی وجہ کی بناء پر، اسے چھوڑ کر اس کے خلاف حکم لگایا جائے۔"

اسی طرح امام سرخسیؒ "المبسوط" میں لکھتے ہیں کہ:

"استحسان ایسا خفی قیاس ہے جس کا اثر قوی ہوتا ہے"

اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ:

"استحسان یہ ہے کہ ظاہر جلی قیاس کو چھوڑ کر ایسے قیاس کو اپنا لیا جائے جس کی علت چھپی ہوئی ہو۔ اگر مجتہد کے سامنے کوئی ایسا واقعہ پیش کیا جائے جس کی نسبت حکم کے بارے میں کوئی نص موجود نہ ہو اور اس میں غور کرنے سے اس کے دو مختلف پہلو سامنے آتے ہوں۔ ان میں سے ایک پہلو ظاہر ہو اور ایک حکم کا تقاضا کرتا ہو، اور دوسرا مخفی ہو جو دوسرے حکم کا تقاضا کرتا ہو، ایسی صورت میں اگر مجتہد کے دل میں ایسی دلیل آئے جو مخفی پہلو کو ترجیح دیتی ہو اور مجتہد ظاہری پہلو کو چھوڑ کر اسے اپنا لے تو اسے شرعاً "استحسان" کہا جائے گا"۔

اسی طرح اگر کوئی "کلی حکم ہو" اور مجتہد کے دل میں ایسی دلیل آ جائے جس کا تقاضا

یہ ہو کہ اس کلی حکم سے جزوی حکم کا استثنا کیا جائے اور وہ اس جزوی حکم کو کلی حکم پر ترجیح دے دے تو اسے بھی شرعاً "استحسان" کہا جاتا ہے۔

استحسان کی اس تعریف سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ اس کی دو قسمیں ہیں:

کسی دلیل کی بناء پر قیاس خفی کو قیاس جلی پر ترجیح دینا

کسی دلیل کی بنا پر کلی حکم سے جزوی حکم کو مستثنیٰ کرنا

علماے احناف، مالکیہ اور حنابلہ نے اس اصول کے یہی معنی مراد لیے ہیں، اور ظاہر ہے کہ انھوں نے یہ قول اپنی رائے یا خواہش نفس کے مطابق اختیار نہیں کیا۔

چنانچہ استحسان اصول فقہ کی ایک دلیل یا اس کے اصولوں میں سے ایک اصول ہے جس کا نمبر کتاب اللہ، سنت رسول ﷺ اور قیاس کے بعد آتا ہے۔ فقہاء نے قانون سازی میں اس سے بہت زیادہ استفادہ کیا ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ وہ بار بار یہ کہتے ہیں کہ: "یہ چیز قیاس کے طور پر نہیں بلکہ استحسان کے طور پر جائز ہے"۔ "یہ امر قیاساً" ممنوع لیکن استحسان کے طور پر جائز ہے "حضرت امام مالکؒ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ فرماتے تھے: "استحسان علم کا نوے فی صد ہے۔"

علماء استحسان کی حجیت پر قرآن مجید کی اس آیت سے استدلال کرتے ہیں:

فبشر عبادالذین یستمعون القول فیتبعون احسنه

ایک دوسری آیت کریمہ میں کہا گیا ہے کہ:

فخذها بقوة و امر قومک یاخذوا بأحسنها

اسی طرح حدیث شریف میں آیا ہے

ما رآه المسلمون حسناً فهو عندالله حسن

(جس چیز کو مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی پسندیدہ ہوتی ہے)

امام احمد نے اس روایت کو کتاب السنہ میں اور بزار، طیالسی، طبرانی اور ابو نعیم نے ابن مسعود سے روایت کیا ہے۔

فقہ میں استحسان کی بے شمار مثالیں پائی جاتی ہیں، مثلاً

لایصح بیع المعدوم ولکن اجیزت الاجارہ استحسانا (معدوم شے کی بیع جائز نہیں لیکن اجارہ کو استحسان کے طور پر جائز قرار دیا گیا ہے۔)

حالانکہ یہ بھی اجارہ پر لی ہوئی شے کے منافع کی بیع ہوتی ہے' اور عقد اجارہ کے وقت یہ منافع موجود نہ ہونے کے باعث معدوم ہوتا ہے۔ چنانچہ قیاس کا تقاضا یہ تھا کہ اس کو باطل قرار دیا جائے' لیکن استحسان کے طور پر اس کی اجازت دی گئی۔

فقہائے احناف نے قرار دیا ہے کہ اگر کوئی وقف کرنے والا زرعی زمین وقف کرے تو اس میں سے لوگوں کے گذرنے' پانی پینے اور پانی کی نالی نکال کر آگے لیجانے کا حق اس کا ذکر کیے بغیر حاصل رہتا ہے۔ حالانکہ قیاس یہ کہتا ہے کہ یہ حق وقف میں شامل نہیں' الایہ کہ جس کی وضاحت کر دی جائے جیسا کہ بیع میں ہوتا ہے۔ اس معاملے میں استحسان کی وجہ یہ ہے کہ وقف کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ جن لوگوں کے لیے یہ زمین وقف کی گئی ہے وہ اس سے فائدہ اٹھائیں۔ اور زرعی زمین سے فائدہ اٹھائیں۔ اور زرعی زمین سے فائدہ اٹھانے کی صورت یہی ہے کہ اس کا پانی پیا جائے' اسے آنے جانے کے لئے استعمال کیا جائے اور اس میں سے پانی کی نالی نکال لی جائے۔ چنانچہ یہ چیزیں ذکر کے بغیر وقف میں شامل ہوتی ہیں کیونکہ اس کے بغیر وقف کا مقصد پورا نہیں ہوتا جیسا کہ اجارہ میں۔

شارع علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے معدوم شئے کی بیع اور معدوم شئے کا ایک دوسرے سے معاہدہ کرنے سے منع فرمایا' لیکن استحسان کے طور پر بیع مسلم' اجارہ' مزارعہ' مساقات اور استصناع (چیز بنوانا) کی اجازت دی حالانکہ یہ تمام معاہدے (عقود) ہیں اور ان میں معقود علیہ شئے (یعنی جس چیز کا معاہدہ کیا گیا ہو) معاہدے کے وقت معدوم ہوتی ہے۔ جیسا کہ اجارہ کے باب میں بیان ہوا۔ اس مسئلے میں استحسان سے کام لینے کی وجہ یہ ہے کہ لوگ ان چیزوں کے محتاج ہوتے ہیں اور عملاً ان طریقوں پر کاربند ہیں۔

امام شاطبی نے الموفقات میں کہا ہے کہ جس شخص نے استحسان کے طور پر

فیصلہ کیا اس نے صرف اپنے ذوق اور خواہش کے مطابق فیصلہ نہیں کیا بلکہ اسے ان معروضہ اشیاء (اس کے سامنے پیش کی گئی اشیاء) کے بارے میں شارع کے قصد کی نسبت جو علم ہوا اس کے مطابق فیصلہ کیا۔

۲۔ مصالح مرسلہ

مصالح مرسلہ یا واحد کا صیغہ استعمال کیا جائے تو مصلحت مرسلہ : مرسلہ کے معنی ہیں مطلقہ اور مصلحت مرسلہ کے معنی ہیں ایسی مصلحت جس کے حصول کے لیے شارع نے کوئی حکم نہ دیا ہو' نہ کوئی شرعی دلیل ایسی نکلتی ہو جس سے اس کا اعتبار کرنے یا اسے چھوڑ دینے کا حکم نکلتا ہو۔ اسے مطلقہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس کا لحاظ کرنے یا اسے چھوڑ دینے کے لیے کوئی دلیل موجود نہیں ہوتی۔

جن فقہاء نے شرعی احکام کے اس مصدر (خذ) سے بہت زیادہ فائدہ اٹھایا ہے' ان میں امام مالک امام اہل مدینہ شامل ہیں۔ یہ کام انھوں نے اس لیے کیا کہ اگر ہم قانون سازی میں صرف ان مصالح پر ٹھہر جائیں جن کا شارع علیہ السلام نے لحاظ (اعتبار) کیا ہے تو لوگوں اور امت کے بہت سے حقیقی مصالح معطل ہو جائیں گے یہ مصالح ہر دور اور ہر جگہ کے تقاضوں کے مطابق بدلتے رہتے ہیں۔ اور نئی نئی شکل اختیار کرتے رہتے ہیں۔ اگر ان مصالح کا لحاظ (اعتبار) نہ کیا جائے اور انھیں پورا کرنے کے لیے جائز راہیں تلاش نہ کی جائیں تو اس سے لوگ بڑی مشکل میں پڑ جائیں گے اور ان کے لیے شریعت پر عمل کرنا ناممکن ہو جائے گا۔ علاوہ ازیں یہ بھی حقیقت ہے کہ شریعت روز بروز ترقی کرتی ہوئی زندگی کا ساتھ دینے سے عاجز ہو جائے گی۔ ہم نہیں جانتے کہ زندگی کہاں تک ترقی کرے گی' بلکہ وہ شاید اس وقت تک ترقی کرتے رہے گی جب تک دنیا قائم رہے گی۔

مصالح مرسلہ کی مثالیں : مثلاً وہ مصلحت جس کے لیے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے جیلیں بنائیں' سکے ڈھالے' اور انھوں نے جو زرعی زمینیں فتح کی تھیں وہ ان کے اصل مالکوں ہی کے قبضے میں رہنے دیں لیکن ان پر خراج لگا دیا۔ یہ تمام وہ مصلحتیں ہیں جن کا تقاضا وقت کی ضرورتوں یا حاجتوں یا تحسینات نے

کیا۔ لیکن ان کے لئے شریعت میں کوئی احکام شروع نہیں کئے گئے تھے۔ اور کوئی ایسی دلیل بھی موجود نہیں تھی جس کی رو سے ان کا لحاظ (اعتبار) کیا جائے۔ یا انہیں نظر انداز کر دیا جائے۔

مصالح مرسلہ کو تشریعی مصدر سمجھنے کے لئے تین شرائط کا پایا جانا ضروری ہے:

۱۔ اس مصلحت کا تعلق معاملات سے ہو نہ کہ عبادات سے' کیونکہ عبادات ثابت ہیں' ان میں تغیر نہیں ہوتا۔

۲۔ اس مصلحت کا مقاصد شریعت میں سے کسی مقصد سے تعارض (ٹکراؤ) نہیں ہونا چاہئے۔ اسی طرح شریعت کی کسی معروف دلیل سے بھی اس کا تعارض نہیں ہونا چاہئے۔

۳۔ مصلحت کا تعلق معاشرے کی حقیقی ضرورت سے ہونا چاہئے۔ یا کم از کم اس سے معاشرے کو کوئی حقیقی فائدہ پہنچنا چاہئے یا کوئی حقیقی نقصان یا ضرر اس سے دور ہونا چاہئے۔ علاوہ ازیں یہ کہ مصلحت شخصی (فرد کی ذاتی) نہیں ہونی چاہئے۔

جو شخص صحابہ کرامؓ تابعین عظامؒ اور ائمہ مجتہدین کی تشریع کا دقت نظر سے جائزہ لے گا اس پر یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ انہوں نے بہت سے احکام مطلق مصلحت کو پورا کرنے کے لئے مشروع ٹھہرائے' جب کہ ان کے پاس اس مصلحت کا اعتبار کرنے یا اسے رد کرنے کے لئے کوئی دلیل موجود نہ تھی۔

جیسا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مختلف مصاحف کو' جن میں قرآن مجید مدون صورت میں موجود تھا' ایک جگہ جمع کیا۔ نیز یہ کہ آپ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلیفہ بنایا۔ اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک کلمہ کے ساتھ تین طلاقوں کو نافذ فرمایا' مولفۃ القلوب کا حصہ روک لیا اور قحط کے دنوں میں حد سرقہ کی تنفیذ روک دی۔ اس کے علاوہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تمام مسلمانوں کو ایک مصحف پر جمع کر دیا۔ اور اس کے علاوہ دوسرے نسخوں کو جلا دیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس شخص کی بیوی کو' اس کے ترکے میں وارث قرار دیا' جو اسے وراثت سے محروم کرنے کے لئے طلاق دے۔

حنفیہ نے بے شرم اور ڈھیٹ مفتی' جاہل طبیب اور مفلس قافلہ بان کو اپنا کام کرنے سے روک دیا۔ مالکیہ نے اس امر کی اجازت دی کہ ملزم کو قید کر لیا جائے اور اسے تعزیری سزا دی جائے تاکہ اس سے جرم کا اقرار کروایا جا سکے۔ اگر کئی افراد نے مل کر ایک شخص کو قتل کیا ہو تو شافعیہ نے واجب قرار دیا کہ ان سب سے قصاص لیا جائے۔ اسی میں اس امر کا جواز بھی شامل ہے کہ عادل حاکم لشکر کی تعداد میں اضافہ' اسلحہ کی تیاری اور وطن کے دفاع کے لئے امیروں سے اتنا مال لے سکتا ہے جس کے سوا چارہ نہ ہو۔

یہ تمام مصالح جن کے لئے فقہاء نے احکام مشروع کئے مصالح مرسلہ میں شامل ہیں۔ یہ انہوں نے اس لئے شروع کئے کہ ان میں عوام کی مصلحت ہے۔ نیز اس لئے کہ شارع علیہ السلام کی جانب سے انہیں نظر انداز کر دینے کی کوئی دلیل موجود نہیں۔ ابن عقیل کا قول ہے: سیاست سے مراد ہر ایسا فعل ہے جس کی انجام دہی میں مصروف ہونا صلاح سے قریب ہونا اور فساد سے دور ہونا ہو۔ خواہ حضور ﷺ نے اسے وضع نہ کیا ہو' نہ اس کے بارے میں کوئی وحی نازل ہوئی ہو۔ اور جس نے یہ کہا کہ شرعی نص کے بغیر کوئی سیاست نہیں' اس نے غلط کہا' بلکہ اس نے صحابہ کرامؓ کے اس کام پر بھی پانی پھیر دیا جو انہوں نے اسلامی قانون سازی کے بارے میں کیا۔

۳۔ عرف:

عرف وہ ہیں جسے لوگ جانتے ہوں اور اس پر عمل کرتے ہوں۔ خواہ وہ کوئی قول ہو یا فعل ہو یا کسی امر کا چھوڑ دینا ہو۔ اسے عادت بھی کہا جاتا ہیں۔ چنانچہ شرعیین کی اصطلاح میں عرف اور عادت کے درمیان کوئی فرق نہیں۔ چنانچہ عرف عمل ہیں' مثلاً لوگوں کا یہ عمل کہ وہ لفظی صیغہ استعمال کئے بغیر چیزوں کا لین دین کر کے کاروبار کرتے ۔

قولی عرف کی مثال یہ ہیں جیسے لوگ "ولد" کے لفظ کا استعمال مذکر کے لئے کرتے مونث کے لئے نہیں کرتے۔ اسی طرح ان کی یہ عادت کہ لفظ "لحم" (گوشت) کا

اطلاق مجملی کے گوشت پر نہیں کرتے۔

عرف تمام لوگوں کے استعمال سے وجود میں آتا ہیں' خواہ ان کا تعلق عوام سے ہو یا خواص سے۔ بخلاف اجماع کے کہ اجماع خاص طور پر مجتہدین کے اتفاق سے وجود میں آتا ہیں۔ اس کے بروئے کار آنے میں عام لوگوں کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔

عرف کی دو قسمیں :

○ عرف صحیح

○ عرف فاسد

عرف صحیح وہ ہیں جس سے عوام واقف ہوں اور اس پر عمل پیرا ہوں۔ اور یہ کہ وہ کسی شرعی دلیل کے خلاف نہ ہو۔ نہ کسی حرام کو حلال کرتا ہو' نہ کسی واجب کو باطل ٹھہراتا ہو' جیسا کہ لوگوں کا یہ عمل کہ وہ جوتا وغیرہ مختلف چیزیں بنانے کے لئے ایک دوسرے کے ساتھ معاہدہ کرتے ' یا عورت کے مہر کو مقدم اور موخر دو حصوں میں تقسیم کر دیتے ۔ اسی طرح ان کا یہ طریقہ کہ خاطب (منگیتر لڑکا) اپنی خطیبہ (منگیتر لڑکی) کو جو کپڑے اور زیور وغیرہ پیش کرے وہ ہدیہ" شمار ہوتے ہیں نہ کہ مہر کا ایک حصہ۔

عرف فاسد سے مراد ایسا عرف ہے جسے لوگ جانتے ہیں اور اس پر عمل بھی کرتے ہوں' لیکن یا تو وہ شرع کے خلاف ہو یا کسی حرام کو حلال ٹھہراتا ہو' یا کسی واجب کو باطل قرار دیتا ہو۔ اس کی مثال میں بہت سے ایسے امور پیش کئے جا سکتے ہیں جن پر لوگ عمل کرتے ہیں لیکن وہ شرعاً" ناپسندیدہ ہوتے ہیں۔ جیسے سود خوری اور جوا وغیرہ۔

اب جہاں تک عرف صحیح کا تعلق ہے تو قانون سازی اور فیصلے کرنے کے عمل میں اس کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ مجتہد کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی تشریع میں' اور قاضی کے لئے ضروری ہے کہ وہ فیصلوں میں اس کا لحاظ رکھے' کیونکہ لوگ جس چیز سے متعارف ہوتے ہیں اور جس پر عمل کرتے ہیں وہ ان کی ضرورت بن جاتی ہے اور ان کے مصالح سے ہم آہنگ ہو جاتی ہے۔ چنانچہ اگر وہ شرعی احکام سے متعارض نہ

ہو تو اس کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔

چنانچہ شارع علیہ الصلوۃ والسلیم نے تشریع کے عمل میں اہل عرب کے صحیح عرف اور عادت کا پورا پورا لحاظ رکھا ہے' جیسے عاقلہ کی جانب سے دیت کی ادائیگی اور نکاح میں زوجین کا کفو ہونا۔ اسی طرح ولایت اور وراثت میں عصبیت کا لحاظ وغیرہ۔

اسی لئے علماء نے کہا ہے کہ عادت محکم شریعت ہے اور شرع میں عرف کا ایک اعتبار ہوتا ہے۔ امام مالکؒ نے اپنے بہت سے احکام کی بنیاد اہل مدینہ کے عمل پر رکھی ہے۔ جب کہ امام ابو حنیفہؒ اور ان کے اصحابؒ نے عرف کے اختلاف کے باعث احکام میں اختلاف کیا۔ امام شافعیؒ جب مصر پہنچے تو انہوں نے عرف بدل جانے کے باعث اپنے بعض ایسے احکام میں تبدیلی کر دی جو بغداد میں مقرر کئے تھے۔ اسی لئے ان کے دو مذاہب ہیں' ایک پرانا اور ایک نیا۔ حنفی فقہ میں بھی بہت سے احکام ایسے ہیں جو عرف پر مبنی ہیں۔ انہی میں سے ایک یہ مسئلہ ہے کہ اگر دو دعویٰ داروں میں اختلاف پیدا ہو جائے اور ان میں سے کسی کے پاس بینہ نہ ہو تو اس کا قول تسلیم کیا جائے گا جس کی شہادت عرف دے۔ چنانچہ اگر کوئی شخص قسم کھائے کہ وہ لحم (گوشت) نہیں کھائے گا' لیکن مچھلی کھالے تو عرف کے باعث اس کی قسم نہیں ٹوٹے گی' کیونکہ عرف میں مچھلی کے گوشت کو گوشت نہیں کہا جاتا۔

اس سلسلے کی مشہور عبارتوں میں سے چند یہ ہیں:

جو چیز عرف کے طور پر مشہور ہو' وہ ایسی ہے جیسے کوئی چیز شرط کے طور پر مشروط ہو۔

جو چیز عرف میں ثابت ہو وہ ایسی ہے جیسے کوئی چیز نص سے ثابت ہو۔

اس سلسلے میں امام ابن عابدین نے ایک رسالہ لکھا ہے جس کا نام ہے "نشر العرف فیما بنی من الاحکام علی العرف" اس رسالہ میں انہوں نے اس امر سے بحث کی ہے کہ جو احکام عرف پر مبنی ہوں وہ زمان و مکان کے بدل جانے سے تبدیل ہو جاتے ہیں۔ تحقیق کی رو سے عرف کوئی مستقل شرعی دلیل نہیں۔ اس

بقیہ:۔ صفحہ نمبر ۲۶ پر